سبق - 21

افسانہ

تہذیبی، سماجی اَور سائنسی ترقّی کی دوڑ میں اِنسان اِتنا مصرُوف ہو گیا کہ اُس کے پاس اِتنی مُہلت ہی نہیں رہی کہ وُہ طویل داستانوں اَور بھاری بھرکم ناولوں کو پڑھے۔ لیکن مشینی دور کے اِنسان کو بھی ذہنی تسکین کے لِیے کُچھ سامان چاہِیے تھا۔ آدمی کی اِسی ضرُورت نے اُردُو ادب میں افسانے کو جنم دِیا۔

افسانے کی تعریف کرتے ہُوئے کِسی نے کہا ہَے کہ افسانہ اُس مُختصر کہانی کو کہتے ہَیں جو ایک ہی نشِست میں پڑھی جا سکے اَور جِس میں ایک خاص واقِعہ، مخصُوص کِردار، ایک تجُربے یا ایک اِحساس کی فنکارانہ پیشکش ہوتی ہَے۔ اُردُو کے اِبتِدائی دَور کے افسانوں پر انگریزی افسانے کی گہری چھاپ صاف طور پر محسُوس کی جا سکتی ہَے۔

اُردُو افسانہ نِگاری کا باضابطہ آغاز پریم چنؔد سے تسلیم کیا جاتا ہَے۔

پریم چند سے پہلے بھی کچھ کہانیاں لکھی گئیں لیکن انھیں فنّی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔ ہاں انھیں افسانے کا نقشِ اوّلین کہا جا سکتا ہے۔

افسانہ اپنی خوبیوں کے اعتبار سے داستان اور ناوِل سے مختلف صِنف ہے۔ حالانکہ اس میں بھی ناوِل کی طرح پلاٹ، کردار، مکالمہ، منظر کشی اور مقصد سب کچھ ہوتا ہے لیکن ایک خاصیت جو افسانے کے لیے ضروری ہے وہ اختصار یعنی کہانی کا مختصر ہونا۔ اسی لیے کسی نے افسانے کو ''زندگی کی ایک قاش'' کہا ہے۔

افسانہ نگاری کی دُنیا میں پریم چند کو اوّلیت بھی حاصل ہے اور فنکارانہ عظمت بھی۔ کیوں کہ زندگی کو جس روپ میں وہ دیکھتے ہیں اُسی رُوپ میں پیش بھی کر دیتے ہیں۔ حقیقت نگاری کی اتنی اچھی مثال اس سے پہلے دیکھنے کو نہیں ملتی۔ کردار اور مکالمے دونوں ہی پریم چند کے افسانوں میں جی اُٹھتے ہیں۔ جذبات کی بڑی کامیاب تصویر کشی پریم چند کے افسانوں کی خصوصیت ہے۔ اس کے علاوہ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی اِن کے افسانے پڑھنے والوں کی توجّہ اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں۔ پریم چند کے درجنوں افسانے مقبولِ عام ہوئے جن میں پریم چند ایک کامیاب فنکار کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ 'کفن'، 'دو بیل'، 'آخری تحفہ'، 'پنچایت'، 'منتر' وغیرہ پریم چند کے لازوال افسانے ہیں۔

پریم چند کی تحریر سے متاثر ہو کر لکھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد اُردو افسانے کی دُنیا میں دِکھائی دیتی ہے جن میں سُدرشن، سجّاد حیدر یلدرم،

سُلطان حیدر جوش، علی عبّاس حُسینی، اختر حسین رائے پوری، کرشن چندر، منٹو، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی وغیرہ کے نام بے حد مشہوُر ہوئے۔ اِن لوگوں کے ہاتھوں اُردوُ افسانے میں زِندگی کے مُختلف رنگ بھرے گئے۔ ان میں سے ہر افسانہ نگار نے اپنے فن سے اُردو کو بے حد کامیاب اَور خوُبصوُرت افسانے دِیے ہَیں۔ جِن کے الگ الگ دائرے ہَیں لیکن ہر دائرہ اپنی جگہ مُکمّل نظر آتا ہَے۔

اُردو افسانے کی تاریخ میں ترقّی پسند تحریک کا ذِکر ضروُری ہے۔ یہ وُہ تحریک تھی جِس نے ادب و شاعِری کی دُنیا میں ایک اِنقلاب پیدا کر دیا۔ تقریباً تمام ادیب و شاعِر اس تحریک میں شامل ہو گئے۔

ترقّی پسند تحریک 1935ء کے آس پاس شُروُع ہُوئی۔ یہ دراصل اُس عہد کی سماجی، سِیاسی اَور معاشی بے چینِیوں کی دین تھی۔ اس تحریک نے ادب و شاعِری میں مقصد کا ہونا ضروُری بتایا۔ اس تحریک سے افسانہ نِگار بھی مُتاثّر ہُوئے اَور ناوِل نِگار اَور شاعِر بھی۔ اس تحریک کا نعرہ تھا کہ ادب کی تخلیق روٹی کپڑے کے حصُوُل کے لیے ہونی چاہیے۔ ورنہ وہ ادب لاحاصل ہے۔ 1936ء میں اِس تحریک کی پہلی کانفرنس پریم چند کی صدارت میں لکھنؤ میں ہُوئی تھی۔ لیکن چند برسوں بعد ہی لوگ مقصد کی رٹ لگاتے لگاتے تھک گئے اَور ادب میں اس تحریک کا زور بِالکُل ہی ختم ہوگیا۔ حالانکہ یہ حقیقت ہَے کہ اس تحریک نے اُردوُ افسانوں کی دُنیا میں کُچھ انمول رتنوں کا اِضافہ کِیا ہے۔